خوابوں کے حاشیے پر

قطعات

یوسف خالدؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خوابوں کے حاشیے پر

شعری مجموعہ

یوسف خالد

ماورا
قائم شدہ
1981ء

سلسلہ اشاعت:

تاریخ اشاعت: دسمبر 2022ء

قیمت: =/650 روپے

نام کتاب: خوابوں کے حاشیے پر

شاعر: یوسف خالدؔ

کمپوزنگ:

تزئین: علی حسن زیدی "ماہوزا" کمپوزنگ سینٹر، فیصل آباد

پروف:

سرِورق: محمد زین ابوطالب زیدی

مطبع: زیدی لیزر پرنٹنگ، فیصل آباد 0300-6619124

اہتمام: ماہوزا (قائم شدہ 1981ء) اہلِ قلم کا اشاعتی ادارہ

_____O_____

اِنتساب



یوسف خالدؔ

ترتیب

○○○○○

جدید رومانی صنفِ سخن

اس میں کوئی شک نہیں قطعہ بہت پرانی صنفِ سخن ہے اسے غزل سے الگ لکھنے کا رواج تقریباً ایک صدی تک کہیں نظر نہیں آتا۔ قطعہ غزل کے اندر ہی اپنی شناخت قائم رکھنے کی کوشش کرتا رہا اور ایک دن قطعۂ تاریخ کی شکل میں وجود پذیر ہوا۔ تمام کلاسیکی شعرا کے ہاں غزل اور قصائد کے درمیان قطعات کے وجود کے ساتھ ساتھ قطعاتِ تاریخ کا وجود بھی ملتا ہے گویا تمام کلاسیکی شعرا نے مختلف مواقع یعنی پیدائش، وفات اور دیگر اہم مواقع کو تاریخی قطعات کی شکل میں یادگار بنایا، تمام عظیم شعرا کی قطعہ پر توجہ اس بات کی دلیل ہے کہ قطعہ اپنی جگہ پر بہت اہمیت کی حامل صنفِ سخن ہے۔ چار مصرعوں پر مشتمل قطعہ اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا مگر اس کا کلاسیکی رنگ و روپ تبدیل ہو گیا اور نئے مضامین اس صنف میں داخل ہو گئے علامہ محمد اقبال نے رباعی نما قطعات متعارف کروائے جنہیں بہت زیادہ شہرت ملی۔ یہ دو رنگ دیکھیے:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

☆☆☆☆☆

خودی کی جلوتوں میں مُصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کُرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خُدائی

علامہ اقبال نے رباعی اور قطعے کو ایک تاریخی موڑ دیا،ان کا قطعہ یا رباعی در اصل ان کے ذہنی اجتہاد کا نتیجہ ہے، انہوں نے ہر قسم کے مضامین کے لیے دروازے کھول دیے،طنز و مزاح اور حالاتِ حاضرہ کے لیے قطعے کا استعمال بھی اسی اجتہاد کے نتیجے میں سامنے آیا،اس حوالے سے بھی بڑے اچھے اچھے شعرا نے خوبصورت قطعے تخلیق کیے۔جن میں مجید لاہوری،ظفر علی خاں، رئیس امروہوی، وقار انبالوی،انور شعور،انور مسعود اور بہت سے دیگر شعرا شامل ہیں۔ان شعراء نے قطعہ کو ایک الگ صنف کے طور پر ایک مسلمہ صنف بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ قطعہ آج تمام روز ناموں کا لازمہ بن چکا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ صنف ادبی کی بجائے صحافتی صنف بن کر رہ گئی اور اظہار کی بے پناہ قوت رکھنے والی یہ صنف محدود و مسدود ہو رہ گئی، بے شک یہ اردو ادب کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہے۔تاہم مجھے اس امر پر اطمینان اور خوشی ہے کہ معروف و ممتاز شاعر یوسف خالد نے اس ناانصافی کا ازالہ اپنے قطعات کے ذریعے کر دیا ہے،ان کے قطعات میں غزل کی لطافت اور نظم کی جمالیات دونوں بدرجہ اتم موجود ہیں اس کے باوجود وہ غزل اور نظم سے الگ ایک ایسی صنفِ سخن بھی ہیں جن پر یوسف خالد کی مہر اسلوب ثبت ہے۔رومانیت سے بھرپور یوسف خالد کے یہ قطعات اردو ادب کے لیے گراں قدر اثاثہ ہیں اگر میں یہ کہوں کہ یوسف خالد

جدید ترین رومانی قطعہ نگاری کا بانی اور مخترع ہے تو اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی - کیونکہ جن مراحل سے گزر کر قطعہ یہاں تک پہنچا ہے ان میں سب سے اہم مرحلہ علامہ اقبال کی قطعہ نگاری کا حوالہ بنتا ہے ان کے بعد دیگر حوالوں سے بھی انکار ممکن نہیں مگر ایک رومان پرور جدت کا حوالہ یوسف خالد کی قطعہ نگاری ہی کہلا سکتی ہے، چند قطعات دیکھیے اور اندازہ کیجیے:

آ کسی طور میرے خواب میں آ
نا رسائی کا زخم سینا ہے
راستہ دیکھنا نہیں تیرا
بِن ترے تیرا ہو کے جینا ہے

☆☆☆☆☆

آ گئے ہو تو مرے بخت میں تصریف کرو
چھو کے پیشانی مرے درد میں تخفیف کرو
میری آنکھوں کے سبھی خواب اٹھا کر رکھ لو
کام مشکل ہے مگر تھوڑی سی تکلیف کرو

☆☆☆☆☆

تیرا خیالِ جاں فزا گو ساتھ ہے مگر
درپیش جو سفر ہے سفر مختصر نہیں
اٹھنے سے پہلے رکنے لگے ہیں مرے قدم
جس راستے پہ ہوں وہ تری رہگزر نہیں

یوسف خالد سے ایسے قطعات سرزد ہوئے ہیں جو دل میں اتر جاتے ہیں، قطعات میں ایسی دلبستگی اور دلکشی سوائے یوسف خالد کے کہیں اور نہیں ملتی، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جدید شعری اصناف میں یوسف خالد کے رومانی قطعات سب سے نمایاں مقام حاصل کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر **منور ہاشمی**
ڈین فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز
نادرن یونیورسٹی



آ کبھی جھیل کنارے تجھے محسوس تو ہو
جھیل سی آنکھوں میں کیا لطف نہاں ہوتا ہے
کیسے ہوتی ہے مناظر میں صباحت تقسیم
کیسے اک دید کا پل راحتِ جاں ہوتا ہے





اب نہیں مطلوب ہم کو تذکرۂ کیف و کم
اب دلِ بے مدعا سنتا نہیں ہے کوئی بات
منظروں کی دلکشی بھی اب اثر کرتی نہیں
کیا خبر اب کون دے گا اس جنوں خیزی کو مات





اتر جاتا ہوں دھیرے سے، محبت سے رگ و پے میں
مجھے یہ فن مقدر کر دیا ہے میرے خالق نے
مرا دامن بھرا رہتا ہے خوشبوؤں سے رنگوں سے
تہی تھا میں ثمر ور کر دیا ہے میرے خالق نے





اجنبی سے ہیں بام و در اس کے
جانے ہم کون سے دیار میں ہیں
ایک صف میں کھڑے ہوئے ہیں یوں
جیسے ہم بھی کسی شمار میں ہیں





اس قدر کیوں بدگماں تھا وقت سے، حالات سے
کیوں تہی تھا معنی و الفاظ سے اس کا دماغ
اس کو گرچہ ہر قدم پر روشنی درکار تھی
جانے کیوں گل کر دیے اس شخص نے جلتے چراغ





اس نے از راہِ شرارت جو کہا
کتنا دلکش کتنا معنی خیز ہے
مختصر جملے میں ہے شامل خلوص
اور تخاطب کتنا دل آویز ہے





اسے درکار تھے راحت کے کچھ پل
مگر اس کو انا کا مسئلہ تھا
تھکن کو اوڑھ کر بیٹھا رہا وہ
وگرنہ مختصر سا فاصلہ تھا





اک پھول ہے کھلا ہوا کانٹوں کے درمیاں
جیسے کوئی چراغ ہو ظلمت کے روبرو
کانٹوں کی بے بسی پہ بہت ہنس رہا ہے پھول
خوشبو حصار توڑ کے پھیلی ہے چار سو





اک چپ کہ جس کو حاصل عمرِ رواں کہیں
بخشی گئی ہے حسنِ طلب کے جواب میں
اب آنکھیں بند رکھنے کا صادر ہوا ہے حکم
میں اس کا کیا کروں جو میسر ہے خواب میں





اک چپ ہوئی ہے جب سے کسی چپ سے، ہم کلام
معنی سے لفظ، لفظ سے معنی خفا سا ہے
ہوتا ہے حسن و عشق میں پیہم معانقہ
اس غائبانہ وصل کا نشہ جدا سا ہے





اک چشمِ التفات کہ لطف و کرم سے دُور
کاٹا ہے ہم نے ہجر بڑے اضطراب میں
سائے میں بے یقینی کے پل کر جواں ہوئی
اک بے دلی حسابِ گناہ و ثواب میں





وہ اپنی ضد کا پکا تھا پیچھے نہیں ہٹا
اس کے لبوں پہ کیا کہیں کیسا سوال تھا
ہم اس پہ منکشف ہوئے اور وہ بھی پہلی بار
ہر چند ایسا سوچنا کارِ محال تھ





اک قدم بڑھتے ہیں آگے اور پھر
دو قدم پیچھے پلٹ جاتے ہیں لوگ
جانے کیسا خوف ہے اس شہر میں
اپنے سائے سے لپٹ جاتے ہیں لوگ





اگرچہ دیکھنے کو آئینہ میسّر ہے
الگ یہ بات کسے دیکھنے کی فرصت ہے
تماشہ بین نظر کاش لوٹ کر دیکھے
درونِ خانہ بھی اس کی بہت ضرورت ہے





ان کہی کیسے ان کہی رہتی
میں نے دل سے مشاورت کی تھی
لفظ سو بار مجھ سے روٹھے تھے
میں نے سو بار معذرت کی تھی





آنکھ بھی منظرِ خوش رنگ سے وابستہ ہوئی
دل نے بھی فیصلہ تسلیم کیا عجلت میں
کس قدر رزقِ پزیرائی تھا اس شخص کے پاس
ہائے اس شخص نے تقسیم کیا عجلت میں





ایک سا منظر کب رہتا ہے آنکھوں میں
آنکھیں ہنسنا، رونا، بولنا جانتی ہیں
کون ہے جو سمجھا سکتا ہے آنکھوں کو
یہ پاگل بس دل کی باتیں مانتی ہیں





بارگاہِ حسن میں پھر سے جنوں ہے سجدہ ریز
لے رہی ہے بادلوں میں پھر گھٹا انگڑائیاں
بھیگنے کی آرزو میں کھلتے جاتے ہیں بدن
بانٹتا پھرتا ہے ساون چارسو رعنائیاں





بر سرِ پیکار تھیں باہم انائیں ، شور میں
جانے اس نے کیا کہا تھا جانے میں نے کیا سنا
یاد ہے بس اس قدر دونوں خسارے میں رہے
اس کو کچھ حاصل ہوا نا مجھ کو کچھ حاصل ہوا





بے حسی کے روپ میں ہے زندگی
اور اس میں زندگی ممکن نہیں
پختہ تر ہونے لگی ہے اب یہ سوچ
کچھ بھی جز لا حاصلی ممکن نہیں





بے سبب اک تیز رفتاری ہے ہر سو بھیڑ ہے
جانے کس منزل کی جانب بھاگتے جاتے ہیں لوگ
کوئی بھی چہرہ نہیں ایسا کہ جو شاداب ہو
دیکھیے اندھے سفر سے فیض کیا پاتے ہیں لوگ





بے سبب تو نہیں یہ سرشاری
کیف و مستی اٹھا کے لائی ہے
اس میں شامل ہے اس بدن کی مہک
یہ ہوا اس کو چھو کے آئی ہے





بے نیازی ہو ادا ہو یا ہو دانستہ گریز
رنگ ہیں سارے محبت کے گلہ بنتا نہیں
کیسے ممکن ہے کہ پیہم وصل کی صورت رہے
ہجر کا موسم کوئی سمجھوتہ کر سکتا نہیں





بے یقینی کی فضا میں ہے طلب گاری کی موت
ہو یقیں قائم تو پھر احساس مر سکتا نہیں
اے وفا نا آشنا اب دستکیں بے سود ہیں
تو مجھے بارِ دگر گمراہ کر سکتا نہیں





بین کرتی خامشی کی بے زبانی کیا لکھوں
ایک لا حاصل سفر کی رائیگانی کیا لکھوں
جو مری یخ بستگی کو تھی میسر کل تلک
اس گریزاں دھوپ کی منظر کہانی کیا لکھوں





پسِ احساس اک لب بستگی ہے
جہاں اک خوش بیانی سو رہی ہے
سماعت منتظر ہے کوئی بولے
مگر چپ ہے کہ گہری ہو رہی ہے





پسِ دیوارِ رنجش سسکیاں ہیں
جدا ہو کر کوئی پچھتا رہا ہے
یقیں کو بد گمانی میں بدل کر
خود اپنے آپ کو سلگا رہا ہے





پسِ دیوارِحسرت پل رہی ہے
ملن رت کی کوئی امکانی صورت
کہیں پہلے سے بڑھ کر ہے ہمیں اب
کسی راحت بھرے پل کی ضرورت





پھولوں کی جگہ کانٹوں کو بخشی گئی توقیر
احساس کی پوروں سے لہو بہنے لگا ہے
اس طرح ہوا لہجہ رفاقت پہ گراں بار
اک ہنستی ہوئی آنکھ میں غم رہنے لگا ہے





پیٹ کی بھوک نہیں ذہن کا افلاس بھی ہے
ہم کو ان دونوں حوالوں سے بہت سوچنا ہے
کوکھ سے ان کی جنم لیتی ہے وحشت پیہم
اس کو ہر حال میں بڑھنے سے ہمیں روکنا ہے





تپش آمیز ہیں بوندیں لہو کی
دلِ مضطر میں اک شعلہ نہاں ہے
طلب کو زندہ رکھنا لازمی ہے
وگرنہ عمر ساری رائیگاں ہے





تجاہل کیش سے شکوے کا مطلب
اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
جہاں احساس پر ہو رعشہ طاری
وہاں عہدِ وفا کچھ بھی نہیں ہے





تجھ پہ سندر ساعتوں کا قرض باقی ہے ابھی
دیکھ تجھ بن ہو گئی ہیں آرزوئیں بے ثمر
منتظر ہیں رتجگے واپس پلٹ بستی میں آ
بارشِ آلام سے بھیگے ہوئے ہیں بام و در





تصور اس قدر ہے روح پرور
لبوں پر مستقل ہے اک تبسم
کوئی خوشبو تعاقب میں ہے میرے
جسے ہونا ہے بالآخر مجسم





تماشائی میسر ہوں تو پھر جاہل تماشہ گر
تماشہ کرتے کرتے خود تماشہ بننے لگتے ہیں
یہ مجمع باز کیسے جان پائیں کیا حقیقت ہے
تعصب اوڑھ کر بے ہودہ گوئی کرنے لگتے ہیں





تھا اسے خوش رنگ منظر سے انوکھا انسلاک
خوش دلی سے وہ سرِ بزمِ وفا رسوا ہوا
تاب لا پائے گا کیسے تیز نظروں کا فسوں
وہ شکستِ آئینہ کا سوچ کر پسپا ہوا





اس نے جانا ہے مجھے اپنے گماں کی حد تک
وہ ابھی پوری طرح مجھ کو کہاں جانتا ہے
ہے کسی وادیِٔ گل پوش میں مسکن میرا
اس حوالے سے مجھے ایک جہاں جانتا ہے





توجہ مرتکز ہو بھی تو کیسے
مناظر سے نظر ہٹنے لگی ہے
ہمیں رفتار کم کرنا پڑے گی
ہماری جستجو گھٹنے لگی ہے





توڑتے رہتے ہیں پیہم بد گمانی کا حصار
خوش گمانی اوڑھ کر ملتے ہیں ہم احباب سے
ایک اجلی سوچ کا یہ فیض ہے جس کے سبب
جو بھی ملتا ہے وہ ملتا ہے بڑے آداب سے





تیرا خیالِ جاں فزا گو ساتھ ہے مگر
در پیش جو سفر ہے سفر مختصر نہیں
اُٹھنے سے پہلے رکنے لگے ہیں مرے قدم
جس راستے پہ ہوں وہ تری رہ گزر نہیں





جانے کس سوچ کا ہے پروردہ
ملتفت بھی ہے بے نیاز بھی ہے
صورتِ شمع بھی ہے جلوہ کناں
اور سر بستہ ایک راز بھی ہے





جانے کیا افتاد ہے جس کے سبب
خوش دلی کا پھول کھلتا ہی نہیں
مسکراہٹ اتنی مہنگی ہو گئی
مسکرا کر کوئی ملتا ہی نہیں





جل رہا ہے خیمہ ءِ انسانیت اس کے سبب
باہمی نفرت کے باعث ہو گئے سب در بدر
اے محبت بانٹتے احساس کی ٹھنڈی ہوا
بد گمانی کی تپش سے جلتی روحوں میں اتر





جو پانی پر لکھی تحریر کے معنی نہیں سمجھا
وہ کیسے آگ کے روشن الاؤ میں اتر جاتا
یہ پانی آگ ہے یہ آگ پانی کی کہانی ہے
میں اس نادان کو یہ رازِ ہستی کیسے سمجھاتا





جو لکھا جا رہا ہے وہ فسانہ
کسی بے داد گر کی داستاں ہے
سبھی شکوے گلے تحریر کر دوں
مگر لفظوں میں یہ طاقت کہاں ہے





جو نفرتوں کو کرتے رہے عام، ہم انہیں
کرتے رہے ہیں پیش تقدس کی خلعتیں
فرقوں میں بٹ گئے ہیں تو اب اس کا رنج کیا
ہر فتنہ گر کو ہم نے عطا کی ہیں مسندیں





چہرے میں نا رسائی کی زردی گھلی ہوئی
پلکوں پہ ہے رکا ہوا اک ان کہی کا دکھ
اک آئینے میں درد کی تجسیم ہو گئی
یوں عکس میں اتارا گیا ہے کسی کا دکھ





خامشی روگ ہی نہ بن جائے
بے زبانی کو مختصر رکھیے
شام ہونے میں دیر کتنی ہے
شام ہونے کی بھی خبر رکھیے





خدا معلوم اس نے کیا لکھا تھا
مجھے تو ہی بتا اے خوش گمانی
مرا احساس بوجھل ہو رہا ہے
ہے میرے روبرو اک رائیگانی





خواب کے اجلے مناظر نے سکھایا ہے مجھے
شعر میں احساس کی تجسیم کاری کا ہنر
رنگ خوشبو سے مزیّن حسن کی جلوہ گری
مجھ پہ ہوتی ہے عیاں بارِ دگر وقتِ سحر





دائرے میں قید کر کے وہ مجھے
ہو گیا پسپا عجب انداز سے
ٹوٹ کر بکھرا پڑا ہے ہر طرف
تھا مغنی کا بھرم جس ساز سے





درِ احساس پر دستک سے پہلے
دعا ہونٹوں تلک آنے لگی تھی
بھرا کاسہ انا نے توڑ ڈالا
طلب ہاتھوں کو پھیلانے لگی تھی





دعا لفظوں کا مجموعہ نہیں ہے
دعا قلبِ پریشاں کی صدا ہے
یہ گہری خامشی میں پلنے والی
سلگتے آنسوؤں کی التجا ہے





دیکھ احساس کی گراں باری
مضمحل روح کتنی گھائل ہے
ایک پیاسے کی پیاس کا عالم
سوکھے دریا کا جیسے ساحل ہے





دیکھنا ہے گر تجھے ہوتا ہے کیسے معجزہ
آ دکھاؤں خواب کی تجسیم کا منظر تجھے
دیکھ میری آنکھ میں اک مسکراتے شخص کو
جس کی قربت کا فسوں دیتا ہے سرشاری مجھے





رات کے پچھلے پہر دیتی ہے دستک جو صدا
میں اسے کیسے سماعت سے نہ ہم رشتہ رکھوں
ان کہی بے چہرگی کے روپ میں ہے روبرو
مجھ پہ لازم ہے مگر یہ راز سر بستہ رکھوں





رات کی رانی ہوا سے ہوتی ہے جب ہمکلام
چاندنی شب منتظر آنکھوں میں بھرتی ہے خمار
ذہن و دل، آنکھیں کیا کرتی ہیں پہلے فیصلہ
ناگہاں آتا نہیں نخل تمنا پر نکھار





راحتیں نا پید ہو جانے کو ہیں
اپنے اپنے دل کی گرہیں کھول لیں
مختصر ہونے لگی ہے فصلِ گل
فاصلوں سے ہی سہی ہنس بول لیں





رائیگانی سے ڈرے گا کیا مرا ذوقِ سفر
پرورش پاتا ہے پیہم یہ مرے کردار سے
زندگی پھر ہونے دے رستوں سے مجھ کو ہم کلام
میں ابھی ہارا نہیں ہوں وقتِ کج رفتار سے





رفاقت کے تقاضے کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے
وفا رستوں پہ نکلے ہیں تو واپس گھر نہیں آئے
ضرورت سے زیادہ ہو تو بے قیمت ٹھہرتی ہے
محبت کتنی ہونی چاہیے طے کر نہیں پائے





روابط ٹوٹنے کا سوچ کر ہم کانپ جاتے ہیں
تعلق کو لبادوں کی طرح بدلا نہیں کرتے
مہکتی سوچ سے کرتے ہیں لفظوں کی پزیرائی
کسی صورت سجل احساس کو گدلا نہیں کرتے





روح میں اترے ہوئے احساس سے پہلوتہی
ایک بے معنی ریاضت کے سوا کچھ بھی نہیں
کاش ہم پر منکشف ہو جائے یہ رازِ نہاں
زندگی لفظِ محبت کے سوا کچھ بھی نہیں





زندگی کب مہرباں تھی اپنے حصے کا خراج
ہم فقیروں سے مسلسل عمر بھر لیتی رہی
بند دروازہ ہی کافی تھا پلٹنے کا جواز
جانے کیوں اک خوش گمانی دستکیں دیتی رہی





زندگی میں رنگ خوشبو کی نمود
مضطرب احساس بن ممکن نہیں
قربتوں کے لطف کی سرشاریاں
بے تحاشا پیاس بن ممکن نہیں





سامنے سب کچھ عیاں تو ہے مگر
چشمِ ناظر ہے بصارت سے تہی
کیسے ہو اس کور چشمی کا علاج
ہو گئے منظر صباحت سے تہی





سرِ بساطِ جہاں اک عجب تماشہ ہے
خوشی کی ساعتِ لرزاں ہے نوحہ خوانی ہے
کبھی ہے صبحِ درخشاں کبھی اندھیرا ہے
خبر نہیں ہے یہاں کس کی حکمرانی ہے





سنائی دیتا ہے مجھ کو کہا ہوا اب تک
یہی سبب ہے میں اب اور کچھ نہیں سنتا
اے کاش کھلتا کسی طور رازِ سر بستہ
میں اپنے خواب کے اوراقِ منتشر چنتا





شوق سے پالی ہوئی ہو بے حسی تو زندگی
آشنائے راحتِ قلب و نظر ہوتی نہیں
خوش نصیبی دستکیں دے کر پلٹ جائے اگر
بھول کر بھی مہرباں بارِ دگر ہوتی نہیں





صبح کی اجلی فضا مہمیز کرتی ہے مجھے
رنگ سے خوشبو سے پاتا ہے نمو میرا ہنر
با وضو ہو کر گلے ملتی ہے مجھ سے روشنی
حسن سے تسکین پاتا ہے مرا ذوقِ نظر





طلب گاری کی آنکھیں بجھ نہ جائیں
مناظر رنگ خوشبو سے تہی ہیں
خدا معلوم کب ہونٹوں پہ آئیں
وہ باتیں جو ابھی تک ان کہی ہیں





عالمی وحشی درندوں کی یہ پیہم یورشیں
خوشنما پھولوں پہ یہ بارود کی برسات دیکھ
شام کے سارے گلی کوچوں میں رقصاں موت ہے
صحن گلشن میں جو اتری ہے وہ اندھی رات دیکھ





عجب الجھے ہوئے ماحول میں ہیں
اسے سلجھانے میں الجھے ہوئے ہیں
مفادِ باہمی والے ہیں یکجا
بجز ان کے سبھی بکھرے ہوئے ہیں





فطرت شناس دل مجھے دے کر اے زندگی
کیوں میرا ذوقِ دید فزوں تر نہیں رکھا
اک گہری دھند لے گئی اجلی بصارتیں
کیوں آنکھ کے حصار میں منظر نہیں رکھا





قافیے کے کھوج میں کٹنے لگے ہیں روز و شب
شاعری کو اس قدر مطلوب جدت ہو گئی
شعر گوئی کے لیے ہے ذہنی ورزش اوج پر
شعر باقی شعر سے تاثیر رخصت ہو گئی





اک اور ہی دنیا ہے جو ہے زیرِ تصرف
اک ایسا نگر جس میں کوئی ہم سا نہیں ہے
ہم خاک نشینوں سے الجھنا نہیں اچھا
رکھتے ہیں ہنر ایسا جو کم مایہ نہیں ہے





اے نئی رت کی لطافت بھری مخمور ہوا
اس کے دامن میں محبت کے مناظر بھر دے
اس کی آنکھوں میں طلبگاری کے ڈورے اتریں
پھر نیا خواب کوئی اس کا مقدر کر دے





اے محبت کی جبیں کو چومتی لا حاصلی
رائیگانی کے سفر کی داستاں تحریر کر
خوش گمانی کی تھکن کتنی اذیت ناک ہے
رہروانِ شوق کا سوزِ نہاں تحریر کر





با خبر رہ کر بھی کچھ حاصل ہوا تو یہ ہوا
مستقل اک بے قراری ایک فکری انتشار
رنگ ،خوشبو کے تعاقب میں نکلنا تھا ہمیں
ہم نے اک دوجے کی راہوں میں اگائے خارزار





بہت محتاط ہیں لیکن ہمیں یہ وہم رہتا ہے
کسی نامہرباں کی تیر اندازی کی زد میں ہیں
کہاں جائیں میسر ہی نہیں جائے اماں کوئی
کہ جتنے بھی ٹھکانے ہیں وہ سارے اس کی حد میں ہیں





بے تکی جدّت طرازی نے کیا ایسا کمال
رفتہ رفتہ شاعری سے شاعری منہا ہوئی
معنی و الفاظ پیہم ان سے ہیں شکوہ کناں
کائناتِ شاعری جن کے سبب رسوا ہوئی





پژمردہ خواہشوں میں بھرے زندگی کے رنگ
بے لفظ داستان کو مرنے نہیں دیا
ہم نے بڑے ہنر سے لکھی ہے حدیثِ دل
جزئیاتِ رہ گزر کو بکھرنے نہیں دیا





تبسم بانٹتے چہرے پہ ہونٹوں کی حسیں قوسیں
مری آنکھوں میں چپکے سے مصور ہوتی جاتی ہیں
کوئی خوشبو اترتی جا رہی ہے یوں رگ و پے میں
مری سانسیں تسلسل سے معطر ہوتی جاتی ہیں





تجسّس سے بھری آنکھوں میں سپنے
کہیں ایسا نہ ہو دم توڑ جائیں
کسی صورت میسّر منظروں میں
چلو کوئی کہانی چھوڑ جائیں





تم عبث دولتِ احساس لیے پھرتے ہو
جان لو اس کے عوض کچھ بھی نہیں مل سکتا
عہدِ کم ظرف نے معیار بدل ڈالے ہیں
اس تعفن میں کوئی پھول نہیں کھل سکتا





چپ کو معنی خیز کرنا ہے اگر
چپ سے پہلے گفتگو کر مسکرا
معنی و الفاظ سے ہم رشتہ رہ
اس کے بن کھلتا نہیں ہے مدعا





حد درجہ خود کفیل ہیں میرے وطن کے لوگ
مرغوب ہی نہیں انہیں خوش فکر رابطہ
ہر شخص فتویٰ باز ہے ہر شخص عقلِ کل
ایسے سماج میں نہیں ممکن مکالمہ





حیرتیں آنکھ کا مقدر ہیں
دل یقین و گماں کا مسکن ہے
زندگی خواب سے عبارت ہے
خواب عمرِ رواں کا مسکن ہے





دستکیں بہاروں کی سن کے اَن سنی کر دیں
اب یہ نوحہ خوانی کیوں پھول گر نہیں کھلتا
ہم نے اپنے ہاتھوں سے جھاڑیاں اگائی تھیں
اب ہمیں شکایت ہے راستہ نہیں ملتا





دل نوازی کبھی تھی اپنا شعار
جو سنبھالی نہیں گئی ہم سے
ہر طرف جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں
فصل بوئی نہیں گئی ہم سے





راحتیں تقسیم کرنے کے لیے
مسکرانے کی ریاضت کیجیے
بے دلی ہے صورتِ آکاس بیل
زندگانی کی حفاظت کیجیے





سماعت اب نہیں مانوس لطفِ شعر و نغمہ سے
اسے حسنِ تکلّم کی ادا بے معنی لگتی ہے
بہت کچھ ہے جو کہہ سکتا ہوں کہنا چاہتا بھی ہوں
مگر اس شور و غل میں ہر صدا بے معنی لگتی ہے





سیاست صحافت وکالت عدالت
مرے روز و شب پر ہے ان کی حکومت
انہیں ہر رعایت میسر ہے لیکن
مرے واسطے کب ہے کوئی سہولت





شعر گوئی کے لیے شعر نہیں کہتا ہوں
شعر کی پوروں میں احساس کو بھر دیتا ہوں
کام مشکل ہے مگر حسنِ تخیل کے سبب
یہ ادق کام سہولت سے میں کر لیتا ہوں





طلب گاری کی آنکھیں بے بصر ہیں
مناظر پر اداسی چھا رہی ہے
محبت سرد رت کی چاندنی میں
کفِ افسوس ملتی جا رہی ہے





کسی عارض پہ پیہم کر رہا ہے
تصور مُو قلم سے حُسن کاری
لبوں پر چپ کی صورت جم گئی ہے
ملن کے گیت گاتی بے قراری





کیا لکھا جائے کیوں لکھا جائے
مجھ سے اب رابطہ نہیں کرتا
جانے کیا روگ ہے کہ جس کے سبب
دل کوئی فیصلہ نہیں کرتا





کیوں نہ یہ سوچ کے امید سے ہم رشتہ رہیں
شاخِ بے برگ نئی رت میں نکھر جائے گی
صبحِ کاذب میں نہاں رات کی پسپائی ہے
اور کچھ دیر میں یہ رات گزر جائے گی





مجتمع ہونا ضروری ہے تو پھر
الجھنوں کا ذکر کرنا چھوڑ دیں
زندگی خود آپ ہے اپنا جواز
سوچ کا رخ دل کی جانب موڑ دیں





مدھر گیتوں کی لے میں ڈھل رہی ہے
تسلسل سے حسیں خوابوں کی مستی
محبت کا بنی ہے استعارہ
کسی کی خوبرو آنکھوں کی مستی





مستقل ہم کر رہے ہیں ایک دوجے کو ذلیل
بے سر و پا اس مسلسل گفتگو کا کیا کریں
میں تمہیں جھوٹا کہوں یا تم مجھے جھوٹا کہو
بات اتنی ہے کہ سچ کی آبرو کا کیا کریں





منقش ڈائری میں لکھ رہا ہے
کوئی انمول جذبوں کی کہانی
ہوئی ہے رنگ خوشبو سے شناسا
تحیّر بانٹتی اک بے زبانی





میں کس منظر میں ہوں کس میں نہیں ہوں
مسلسل خود سے محوِ گفتگو ہوں
مری پہچان مجھ سے کھو نہ جائے
میسّر آئینے کے روبرو ہوں





ہم چلتے چلتے آ گئے ہیں اس مقام پر
اندھے نگر میں کچھ بھی ہمیں سوجھتا نہیں
پہچان کی تو بات الگ ہے ،جہان میں
کوئی ہمارا نام و نسب پوچھتا نہیں





ہے کہاں احساس کی تابندگی
آرزو کی خوش گمانی کیا ہوئی
اے دلِ لب بستہ کوئی بات کر
کیا ہوئی معجز بیانی کیا ہوئی





وہ مطمئن ہے بظاہر مگر نہ جانے کیوں
یہ لگ رہا ہے وہ ٹوٹا ہوا ہے اندر سے
ہے اس کی آنکھ میں منظر کی دلکشی لیکن
یہ بات سچ ہے وہ بکھرا ہوا ہے اندر سے





آ کسی طور میرے خواب میں آ
نا رسائی کا زخم سینا ہے
راستہ دیکھنا نہیں تیرا
بن ترے تیرا ہو کے جینا ہے





اب اجتناب کر نہ کوئی لطفِ خاص کر
ہم سب حصار توڑ چکے جا چکے ہیں ہم
بن سوچے ہم نے چھوڑی نہیں وادیِٔ خیال
سب خوش گمانیوں کا صلہ پا چکے ہیں ہم





اب تک کسی کے ریشمی لہجے کی بازگشت
اکثر سنائی دیتی ہے سنسان رات میں
ہوتا ہے چاند رات کی رانی سے ہمکلام
اک پھیلتی ہے مدھ بھری مسکان رات میں





اب کسی طور ملاقات نہیں ہو سکتی
پہلے سی صورتِ حالات نہیں ہو سکتی
ہو تو سکتے ہیں کہانی میں کہیں پھر یکجا
اب مگر ان کی مدارات نہیں ہو سکتی





ابھی خواہش کی پوروں میں نمو ہے
ابھی سوچوں کی خوش حالی ہے قائم
ابھی میرے لہو میں حدّتیں ہیں
ابھی جذبوں کی ہریالی ہے قائم





اپنے سائے سے ڈرنے والے لوگ
اپنے جذبوں سے کیا وفا کرتے
عافیت ڈھونڈتے تھے چپ میں جو
سامنا زیست کا وہ کیا کرتے





اجنبیت اوڑھ لی ہم نے مگر
کیا کہیں ہم اجنبی نہ ہو سکے
رتجگے اپنے مقدر میں رہے
ہم کسی پل چین سے نہ سو سکے





احساس کے لبوں پہ ہے شکوہ کہ کم نظر
برباد کر رہے ہیں محبت کی بستیاں
ہونے لگی ہے لطف و کرم سے تہی حیات
نفرت بڑھا رہی ہیں یوں لہجوں کی تلخیاں





آخری بار یہ ملنے کا تکلّف کیسا
گر جدا ہونا ہے چپ چاپ جدا ہو جائیں
وقت نے کون سا احسان کیا ہے ہم پر
کیوں نہ اس وقتِ گریزاں سے خفا ہو جائیں





اداسی ہے کوئی اندھی بھکارن
طلبگاری ہے کشکولِ گدائی
تیقن راستہ بھولا ہوا ہے
اذیت ہے یہ کارِ خود نمائی





ادھوراپن ہمیشہ کے لیے تو رہ نہیں سکتا
کہ ہر محدود کو آخر مفصل ہونا ہوتا ہے
کہیں انکار کی صورت کہیں اقرار کی صورت
کہانی کو بہر صورت مکمل ہونا ہوتا ہے





آرزوؤں کی آرزو یہ ہے
کچھ نہ کچھ حسبِ آرزو بھی ملے
وہ کسی روز روبرو آئے
پھر ہمیں اذنِ گفتگو بھی ملے





اس با خبر کو کیسے کہوں بے خبر کہ جو
رہتا ہے ہر گھڑی مری حالت سے با خبر
رکھے ہوئے ہیں اس نے مناظر سنبھال کر
اس کی نگاہ میں ہیں مرے سارے خشک وتر





کس درجہ خوش گمان تھے ہم خوش عقیدہ لوگ
بے اعتنائیوں میں بھی چاہت تلاش کی
تھی منظروں پہ دھند کی چادر تنی ہوئی
اس ملگجے میں ہم نے صباحت تلاش کی





اس دل کی بے قراری کو دے اور اضطراب
رکھ اس کے سامنے کوئی کھلتا ہوا گلاب
پلکوں پہ خواب ٹانک کچھ ایسی ادا کے ساتھ
آنکھوں کے میکدے سے چھلکتی رہے شراب





اس شہرِ اقتدار کے موسم کا کچھ نہ پوچھ
سوکھے ہوئے درخت بھی پتوں سے بھر گئے
آئے تھے خالی ہاتھ مگر اس کے فیض سے
سب شہر یار جھولیاں بھر بھر کے گھر گئے





اس طرح توڑ کر مجھے گزری شب فراق
میرا وجود میرا ہی سایہ لگا مجھے
تھی چاند میں بھی اس کے حوالے سے دلکشی
اس کے بغیر چاند بے مایہ لگا مجھے





اس طرح ٹوٹے کہ ہم پھر نہ سنبھلنے پائے
آخری وار محبت پہ بہت کاری تھا
آنکھ کس طرح سے خوابوں کا سواگت کرتی
جو بھی منظر تھا وہ پلکوں پہ بہت بھاری تھا





اس طرزِ خاص پر کوئی رکھے نہ انگلیاں
مکر و فریب اہلِ سیاست کو ہے روا
کرتے ہیں صبح و شام عبادت اسی طرح
رہتے ہیں سب کے سامنے یہ سب سے پارسا





اس کو میں بھول جاتا یقیناً" مگر یہ دل
میں کیا کروں کسی بھی طرح مانتا نہیں
پھرتا ہے لے کے یاد کی وادی میں روز و شب
جو کھو گیا ہے اس کا پتا جانتا نہیں





اس کے لہجے میں اتر آیا ہے بیگانہ پن
مجھ کو لفظوں کا جہاں زیر و زبر لگتا ہے
جانے وہ کب کسی احساس کو باطل کر دے
اب اسے شعر سناتے ہوئے ڈر لگتا ہے





اس کی یخ بستہ مزاجی سے گلہ ہے بے سود
ہم نے غلطی سے دسمبر کو ستمبر جانا
اپنی کج فہمی کو خوش فہمی بنائے رکھا
ایک بے لطف کو خوشبو سے معطر جانا





اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی تعلق کی زمام
میری اک اک آرزو کا فیصلہ اس نے کیا
میں روابط کے لیے تنہا رہا محو سفر
جب کبھی چاہا مجھے بے رابطہ اس نے کیا





اس نے بھیجا ہے ایک گیت مجھے
ایسا لگتا ہے بے قرار ہے وہ
پھول اس نے بچھائے رستے میں
اور خود محوِ انتظار ہے وہ





اس نے مانگی بھی تو تصویر پرانی مانگی
میرے گزرے ہوئے لمحوں کی کہانی مانگی
پہلے لایا مجھے احساس کے دروازے پر
پھر مری آنکھ سے اشکوں کی روانی مانگی





آسان اس قدر تھے کہ سمجھے نہیں گئے
مشکل ہوئے تو لوگ ہمیں جاننے لگے
ہم نے جنہیں منانے کے سو سو جتن کیے
جب ہم نہیں رہے تو وہ پہچاننے لگے





اسے درپیش ہے چھوٹی سی مشکل
وہ مشکل سے نکلنا چاہتا ہے
اسے یادیں ستانے لگ گئی ہیں
وہ اب منظر بدلنا چاہتا ہے





اسے کہنا کہ وہ اب لوٹ آئے
کہ میں اس بن ادھورا رہ گیا ہوں
مرے چاروں طرف ہے شور برپا
جنوں میں جانے کیا کچھ کہہ گیا ہوں





اسی وقفے میں مل جائے گا کوئی چاہنے والا
یہ خاموشی کسی آواز سے ہم رشتہ کر دے گی
تصور سے کہیں آگے کسی ان دیکھی دنیا میں
تری بے چینیوں کو خواب سے وابستہ کر دے گی





اک پھول ہے کھلا ہوا کانٹوں کے درمیاں
جیسے کوئی چراغ ہو ظلمت کے روبرو
کانٹوں کی بے بسی پہ بہت ہنس رہا ہے پھول
خوشبو حصار توڑ کے پھیلی ہے چار سو





اک تلاطم خیز دریا کی طرح
ہے سکوں نا آشنا میرا جنوں
ہر گھڑی اک معرکہ درپیش ہے
کیسے ممکن ہے میسر ہو سکوں





اک جست کی دوری پہ ہے مہتاب کا ہالہ
تو کس لیے آمادۂ پرواز نہیں ہے
اے عشقِ بلا خیز دل و جاں پہ ہے یہ بوجھ
کیوں تیری طلبگاری فسوں ساز نہیں ہے





اک حوصلہ مندی سے اسے جھیل رہا ہوں
جس درد کو میں نام کوئی دے نہیں پایا
ہر چند مری آنکھ میں رہتی ہے نمی سی
اس کو مگر الزام کوئی دے نہیں پایا





اک خستہ حال تیری گلی سے گزر گیا
منہ دیکھتی رہیں تری خستہ نوازیاں
دریا دلی کو ورطۂ حیرت میں ڈال کر
اک تشنہ لب کے ساتھ گئیں تشنہ کامیاں





اک رسم تھی جو ہو گئی پوری کسی طرح
اک یاد تھی جو عید مبارک میں ڈھل گئی
سب کچھ نظر کے سامنے اچھا لگا مگر
آنکھوں میں ایک خواب کی تصویر جل گئی





اک تلاطم خیز دریا کی طرح
ہے سکوں نا آشنا میرا جنوں
ہر گھڑی اک معرکہ درپیش ہے
کیسے ممکن ہے میسر ہو سکوں





اک قرب خاص نے اسے گلنار یوں کیا
وہ مرمریں بدن مرے بوسوں سے کھل اٹھا
چھونے سے ان لبوں میں ہوا ایسا ارتعاش
جیسے مغنی گیت کے بولوں سے کھل اٹھا





اک محبت مزاج داں ہے مری
عشق اک میرا ہم پیالہ ہے
ہر گھڑی اک خمار رہتا ہے
میرے اندر کوئی اجالا ہے





آ کر مرے جہانِ تخیّل میں ایک شخص
کچھ دیر میرے ساتھ بہت دور تک گیا
پھر اس کو ایک اندھی انا ساتھ لے گئی
میں خواب راستوں میں اسے ڈھونڈتا رہا





اگر اپنے کہے الفاظ سے انکار ممکن ہو
تو پھر بے فکر ہو کر دیکھیے جو بھی تماشہ ہو
مٹا کر دیکھیے سوچیں بدل کر دیکھیے چہرے
ضروری تو نہیں پہچان کا کوئی حوالہ ہو





اگرچہ گفتگو ہوتی رہی ہے
مگر اک بے دھیانی بھی رہی ہے
محبت بھی کہیں پلتی رہی ہے
بظاہر رائیگانی بھی رہی ہے





آ گیا ہوں میں خوشبوئیں لے کر
تم بھی تھوڑا سا اہتمام کرو
آج دکھ کو کڑی سزا دیں گے
مسکرانے کا انتظام کرو





ان سے سنا نہ جا سکا ہم سے بیاں نہ ہو سکا
قصہء غم طویل تھا نا تمام ہی رہا
دونوں ہی چپ کو اوڑھ کر بیٹھے رہے تمام عمر
دونوں کا عشق خام تھا دونوں کا خام ہی رہا





ان گنت گزری ہیں راتیں کروٹیں لیتے ہوئے
ہے پسِ احساس کوئی اور رنجیدہ سا ہے
اب کسی صورت اسے آنکھوں تلک لانا تو ہے
میری سوچوں میں ابھی اک خواب خوابیدہ سا ہے





ان گنت نایاب پھولوں سے جو تھا منظر حسیں
اس کا سارا حسن جانے کیوں مکدر ہو گیا
خواب تھا اور خواب سے منسوب تھا ذوق نظر
آنکھ پتھرائی تو میرا خواب بے گھر ہو گیا





انا پرست تھے کیا کیا جنہیں محبت نے
یوں اپنے رنگ میں ڈھالا کہ خاکسار ہوئے
بدل کے رکھ دیے اس طرح آنکھ کے موسم
کسی کو غم زدہ دیکھا تو اشکبار ہوئے





آنسوؤں کی زباں میں بولتی ہے
گہری چپ میں چھپی نہیں رہتی
داستاں راستے نکالتی ہے
ان کہی، ان کہی نہیں رہتی





آنسوؤں کی زباں وہ کیا سمجھے
جس کی آنکھوں نے نم نہیں دیکھا
غمگساری وہ کیا کرے گا مری
آج تک جس نے غم نہیں دیکھا





آنکھ کیسے جدا ہو منظر سے
کوئی آہٹ ہے جو بلاتی ہے
ایک تصویر بن نہیں پاتی
جستجو کس لیے ستاتی ہے





آنکھ منظر بدل کے دیکھتی ہے
منظروں پہ سکوت طاری ہے
کیسا نوحہ ہے وقت کے لب پر
جو سماعت پہ اتنا بھاری ہے





آنکھ کو منظر کئی اب بھی میسر ہیں مگر
ہے کہاں وہ بالکونی ہے کہاں وہ چاند رات
اب نہیں مطلوب ہم کو تذکرہء کیف و کم
اب دلِ بے مدعا سنتا نہیں ہے کوئی بات





آنکھوں میں اشک نوکِ قلم ہے لہو سے تر
پیشِ نظر ہیں وحشتیں خوں رنگ ہے زمیں
اس خوف کی فضا میں کیا لکھوں خوشی کے گیت
اے ارضِ پاک ملتی نہیں ہے اماں کہیں





آنکھوں میں کوئی خواب کی صورت اتر گیا
لہجہ کسی کا کانوں میں رس گھولنے لگا
احساس کے لبوں پہ پھر آیا کسی کا نام
پھر سے دیارِ دل کا خلا بولنے لگا





انگنت نایاب پھولوں سے تھا جو منظر حسیں
اس کا سارا حسن جانے کیوں مکدر ہو گیا
خواب تھا اور خواب سے منسوب تھا ذوق نظر
آنکھ پتھرائی تو میرا خواب بے گھر ہو گیا





آؤ کچھ دیر میرے ساتھ چلو
آؤ منظر بدل کے دیکھیں ذرا
یہ بھی کیا اپنی قید میں رہنا
خود کو خود سے نکل کے دیکھیں ذرا





اوڑھ لی الفاظ نے چپ کی ردا
بن کہے سب کچھ کہا جانے لگا
بے حقیقت ہو گئے سب فاصلے
خواب منظر روبرو آنے لگا





اے تواتر سے رگِ جاں میں اترتی آرزو
میرے خوابوں میں کوئی تعبیر کا امکان رکھ
ہے مجھے در پیش شاید پھر کوئی لمبا سفر
جو ضروری ہے مرے سامان میں سامان رکھ





اے صبحِ نو مرے احساس پہ ہویدا کر
وہ روشنی کہ تخیّل میں رنگ بھر جائیں
اتار دے مرے لفظوں میں خوشبوؤں کا مزاج
یہ میرے لفظ کسی طور تو سنور جائیں





اے ماہ و سال کی گردش ذرا خیال رہے
ترے ستائے ہوئے مسکرانے والے ہیں
جو ہم پہ بیتی ہے یہ زندگی بتانے میں
وہ ساری داستاں ہنس کر سنانے والے ہیں





ایسا نہیں کہ اس سے محبت نہیں رہی
یہ اور بات ہے کہ وہ قربت نہیں رہی
ہے اس کے میرے درمیاں اک چپ کا رابطہ
پہلے سی بات چیت کی صورت نہیں رہی





ایسے ٹوٹے کہ کبھی پھر نہ سنبھلنے پائے
آخری وار محبت کا بہت کاری تھا
آنکھ کس طرح سے خوابوں کو سہارا دیتی
جو بھی منظر تھا وہ پلکوں پہ بہت بھاری تھا





ایک جیسے منظروں سے تھی ہماری دوستی
مہرباں ہم پر رہی اجلی سجیلی چاندنی
چاند اب بھی منتظر رہتا ہے گرچہ رات بھر
ہم کو اب حاصل نہیں لیکن کسی کی ہمرہی





آئینے کو آئینے کے روبرو لے آئیے
عکس کو خود عکس کی پہچان کرنے دیجیے
لازمی ہے کم نگاہی سے ہو قدرے اجتناب
روشنی کچھ زندگی کو دان کرنے دیجیے





بارش میں اس کو دیکھ کر محسوس یوں ہوا
چھڑکی ہو جیسے اوس کسی نے گلاب پر
چہرے پہ ضو فشاں تھا تبسم کا نور یوں
جس طرح چاندنی ہو رخِ ماہتاب پر





باہمی احترام لازم ہے
شوق سے آپ گفتگو کیجیے
جو بھی کہنا ہے بر ملا کہیے
جو بھی شکوہ ہے روبرو کیجیے





بجا ہے رات مسلط ہے اور طویل بھی ہے
وجودِ صبح سے انکار، سوچیے صاحب
کہیں تو ہو گا حقیقت شناس بھی کوئی
لبوں پہ آیا ہوا سچ نہ روکیے صاحب





بچھڑنے کی ادا بھی منفرد تھی
ملا تھا تو بھی وہ سب سے جدا تھا
وہ واقف تھا مرے عیب و ہنر سے
مجھے پورے کا پورا جانتا تھا





بدل رہا تھا تسلسل سے اعتبار کا رنگ
میں اپنے دعویٰ الفت پہ بات کیا کرتا
وہ لے رہا تھا گواہی اداس موسم سے
میں لخت لخت محبت پہ بات کیا کرتا





بدلتا جا رہا ہے لمحہ لمحہ بے یقینی میں
نہیں تاثیر اب باقی ہماری التجاؤں میں
درختوں کی ہری شاخیں پرندوں سے ہوئیں خالی
یہ کیسے خوف کا احساس شامل ہے فضاؤں میں





بدلی ہے اس نے صورت حالات اس طرح
حالات کے بدلنے کی صورت نہیں رہی
سب کچھ بھلا کے مطمئن بیٹھا ہوا ہے یوں
جیسے اسے کسی کی ضرورت نہیں رہی





بدن گداز ہے اور اس میں کچھ خمار بھی ہے
وہ مجھ سے ملنے کو تھوڑا سا بے قرار بھی ہے
وہ شوخ مانے نہ مانے مگر حقیقت ہے
حسین مدھ بھری آنکھوں میں انتظار بھی ہے





بس اک تلاش مسلسل ہے ایک حیرت ہے
ازل سے تا با ابد ایک ہی کہانی ہے
کسی بھی طور وہ جلوہ نما نہیں ہوتا
دل و نگاہ پہ کس کی یہ حکمرانی ہے





بکھری زلفوں کو کسی طور سنوارو جاناں
عارض و لب کو ذرا اور نکھارو جاناں
میں چلا جاؤں نہ محفل سے تمہاری اٹھ کر
خود کو مربوط کرو مجھ کو پکارو جاناں





بلندی سے گرا کر پستیوں میں
تقاضا پھر سنبھلنے کا عجب ہے
فسانے پر حقیقت کا لبادہ
یہ ملبوسِ ریاکاری غضب ہے





بلندی کا تصور رفتہ رفتہ
سمٹ کر پستیوں تک آ گیا ہے
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
کہ جنگل بستیوں تک آ گیا ہے





بنانا چاہتا ہوں اس کو پابندِ وفا لیکن
یہ الجھن ہے اسے لفظِ وفا اچھا نہیں لگتا
مچلتے ہیں ملن کے گیت گر چہ اس کے ہونٹوں پر
مگر اس مہرباں کو رابطہ اچھا نہیں لگتا





بنتا ہے بن کے مٹتا ہے اک نقش بار بار
یہ کون مثلِ خواب مری داستاں میں ہے
ہے کس کے ہاتھ میں مری سوچوں کی باگ ڈور
یہ ذکر کس کے حسن کا حسنِ بیاں میں ہے





بندہ پرور سوال مت کیجیے
قربتیں پائمال مت کیجیے
ساعتِ وصل روٹھ نہ جائے
کوئی ایسا کمال مت کیجیے





بہار آنے سے پہلے بہار آجائے
وہ لوٹ آئے تو دل کو قرار آجائے
مرے خیال کی رو اس کی روح میں اترے
مری وفا پہ اسے اعتبار آجائے





بہت با سلیقہ بہت با ہنر ہے
مگر سیل غم سے ابھی بے خبر ہے
اسے کوئی کہہ دے پلٹ جائے واپس
یہ لمبا سفر ہے کٹھن رہ گزر ہے





بہت تاخیر سے بدلا ہے موسم
اسے جلدی بدلنا چاہیے تھا
محبت راستے ہموار کرتی
جنوں حد سے گزرنا چاہیے تھا





بہت دشوار ہیں احساس کے یہ مرحلے جاناں
گھٹن بڑھتی ہے جب بھی ٹوٹتے ہیں رابطے جاناں
دلوں میں جب کبھی بھی بدگمانی راج کرتی ہے
تو اس کی زد میں آتے ہیں یقیں کے سلسلے جاناں





بہتے پانی کو غور سے دیکھو
بہتا پانی بھی اک کہانی ہے
ان گنت بھید ہیں روانی میں
اس روانی میں زندگانی ہے





بہتے ہوئے لہو سے ترا رنگ سرخ ہے
خستہ بدن پہ یہ قبا تیرے ہی نام کیوں
کیوں رزق بن گئے ہیں درندوں کا نونہال
اے ارضِ شام! شام سے پہلے یہ شام کیوں





بھولنے والے میں ترا نام نہیں لے سکتا
چھپ کے لیتا ہوں سر عام نہیں لے سکتا
تجھ پہ حرف آئے کسی طور گوارا کب ہے
میں کسی طور یہ الزام نہیں لے سکتا





بوجھ کوئی اٹھا نہیں پایا
جانے احساس کتنا بھاری تھا
آنکھ منظر بدل کے دیکھتی تھی
منظروں پہ سکوت طاری تھا





بے تکلف ہم سے وہ اور ان سے ہم ہوتے نہیں
درمیاں اک ہم کا صیغہ مستقل دیوار ہے
دونوں کرتے رہتے ہیں اپنی انا کی پرورش
اس ریاضت کا ثمر ہی باعثِ آزار ہے





بے نیازی میں اک نیاز بھی ہے
زندگی جس کی گرد گھومتی ہے
ایک منظر نیا ابھرتا ہے
جب ہوا بادباں کو چومتی ہے





بے نیازی ہو گئی پل کر جواں
ناز برداری نے پالا ہے اِسے
عارض و لب اور دلکش ہو گئے
یوں محبت نے اجالا ہے اِسے





بے وفائی کسے کہتے ہیں وفا کیا شے ہے
کیسے سمجھائیں اسے کیسے سمجھ پائے گا
اس پہ طاری ہے ابھی اپنی صباحت کا خمار
جتنا سمجھائیں گے ، وہ اتنا الجھ جائے گا





بے یقیں سے لگ رہے ہیں حیرتوں کے درمیاں
قوم کے افراد کو اک حوصلہ درکار ہے
بے حسی کی چادریں اوڑھے ہوئے ہیں رہنما
سرزمین پاک ان کے بوجھ سے بےزار ہے





پاسِ وابستگی رہے نہ رہے
حسن کو داستان ہونا ہے
موسمِ ہجر ہو یا وصل کی رت
عشق کا امتحان ہونا ہے





پختہ تھا میں کسی نے مجھے خام کر دیا
پھر اس پہ یہ ستم کہ سر عام کر دیا
لکھا کچھ اس ادا سے مرا نام لوح پر
سارے جہاں کا درد مرے نام کر دیا





پرندہ رات بھر بے کل رہا ہے
کہیں طوفان کوئی پل رہا ہے
نہیں ہے طاقتِ پرواز باقی
فقط سانسوں کا دھندہ چل رہا ہے





پزیرائی کی خوشبو سے معطر ہو گئے جذبے
وفا احساس کے ماتھے پہ یوں تحریر کی اس نے
قلم اور نوٹ بک کا قیمتی تحفہ مجھے بھیجا
مرے الفاظ کی کچھ اس طرح توقیر کی اس نے





پسِ احساس بھی احساس کی اک ایسی صورت ہے
جو رنگوں ،خوشبوؤں ،اجلے حوالوں سے عبارت ہے
یہیں سے پھوٹتے ہیں سارے چشمے غمگساری کے
اسی کے فیض سے قائم مرے فن کی ریاضت ہے





پلٹ کر اک نظر دیکھا تھا اس نے
وہ منظر چشمِ تر میں رہ گیا ہے
بچھڑتے وقت اس کی آنکھ نم تھی
وہ بن بولے بہت کچھ کہہ گیا ہے





پہچان کر بھی وہ ہمیں پہچانتے نہیں
اب اس ادائے خاص کو کچھ نام دیجیے
رکھیے ذرا خیال کہ وہ بے سکوں نہ ہوں
حاضر ہیں ہم ہمیں کوئی الزام دیجیے





پھر چلا آیا ہے کوئی بام پر
پھر اتر آیا ہے آنکھوں میں خمار
پھر کسی نے اپنا جادو کر دیا
پھر کوئی ہونے لگا ہے بے قرار





پوچھا نہیں، بتایا نہیں اس نے حالِ دل
لگتا ہے جیسے اس نے فراموش کر دیا
کیا کیا نہیں تھے تاروں میں نغماتِ دلپذیر
صد حیف اس نے ساز ہی خاموش کر دیا





پیشِ نظر ہے آج بھی پھولوں کی رہ گزر
لیکن خبر نہیں ہے کہاں ہے وہ ہم سفر
مدت ہوئی ہے کوئی بھی دستک نہیں ہوئی
سنسان لگ رہے ہیں رفاقت کے بام و در





تا حدِ نظر بھیڑ ہے ٹکراؤ ہے پیہم
یہ شہرِ ستم ہے مری جاں گاؤں نہیں ہے
آ بیٹھ مری آنکھ کے خیمے میں کہ ہر سو
جلتے ہوئے منظر ہیں کہیں چھاؤں نہیں ہے





تجھے احساس کیوں ہوتا نہیں ہے
تو میری بات کیوں سنتا نہیں ہے
تو اتنا کج رو کیوں ہو گیا ہے
یہ تو نے کیا کبھی سوچا نہیں ہے





تقاضا تجھ سے ملنے کا تو ہے لیکن بس اتنا سا
جو تجھ سے بات کہنا چاہتا ہوں، بات ہو جائے
تجھے ملنے کی عجلت میں کسی دن کاش ایسا ہو
کہ میں جھنجھلا کے دن کو رات کہہ دوں، رات ہو جائے





تخیّل میں جو ہر لمحہ مجھے محسوس ہوتا ہے
وہ پھولوں سا حسیں ہے صورتِ خوشبو معطر ہے
اسی کے خواب کی تاثیر ہے میری رگِ جاں میں
اسی کے لمس کا احساس ہر شے سے فزوں تر ہے





ترے سندر بدن میں اک نیا احساس بھر دیتا
تصور کا حقیقت سے کبھی گر رابطہ ہوتا
ترے عارض کی نرمی میرے ہونٹوں میں اتر جاتی
اگر اس پیاس کی تقدیر میں بھی معجزہ ہوتا





تری معجز نمائی کام آئے
مسیحا اب کوئی احسان کر دو
مجھے وہ بھولنا چاہے نہ بھولے
اسے ایسا وظیفہ دان کر دو





تصور میں جو اک قوسِ قزح ہے
ہیں اس کے رنگ اس کے پیرہن سے
رگِ جاں میں اترتی جا رہی ہے
مہک اٹھی ہے جو اس کے بدن سے





تم نے اک عمر گزاری ہے اسی زنداں میں
کیسے سمجھاؤں تمہیں ذات سے باہر کیا ہے
تم نے اوڑھی ہے بصد شوق سیہ رات تمہیں
کیسے معلوم ہو اس رات سے باہر کیا ہے





تم کون سے احساسِ تفاخر پہ ہو نازاں
لے جاؤ یہ سب جبہ و دستار کہیں اور
یہ عشق کی بستی ہے یہاں ان کا نہیں کام
مل جائیں گے اس ڈھب کے پرستار کہیں اور





تمہارے خواب سے اک خواب پھوٹے
مری آنکھوں کی بھی تقدیر بدلے
تمہاری ذات کا مرکز بنوں میں
مرے ہاتھوں کی بھی تحریر بدلے





تھا کسی بیدادگر کی طرح داری کا کمال
زرد رت میں بھی رہا زندہ مرا ذوقِ جمال
درد کی لے جب کبھی حد سے فزوں ہونے لگی
ہوگیا ہوں اس کی یادوں سے لپٹ کر میں نہال





تھا کیسا دلنواز وہ لہجہ کہ آج تک
بھولی نہیں ہے میری سماعت وہ جلترنگ
آنکھوں میں آج بھی ہے وہ منظر اُسی طرح
اترا نہیں ہے میری بصارت سے اُس کا رنگ





تھی چاند میں بھی اس کے حوالے سے دلکشی
اس کے بغیر چاند بے مایہ لگا مجھے
اس طرح توڑ کر مجھے گزری شبِ فراق
میرا وجود صورتِ سایہ لگا مجھے





تہی دامن نہیں تھے ہو گئے ہیں
بہت کچھ چھوڑ آئے ہیں کہیں پر
کوئی اب بھی کہیں محو سفر ہے
کوئی چپ چاپ بیٹھا ہے وہیں پر





کب تلک رہتی پسِ احساس تشنہ آرزو
کس طرح منہ زور جذبوں سے تھا ممکن انحراف
ضبط کی سب کوششیں ناکام ہو جانے کے بعد
ان کہی کرنے لگی ہے لفظ و معنی کا طواف





کتنی گہری مماثلت ہے میاں
وہ بھی میری طرح ہے ٹوٹا ہوا
ہیں اسے بھی گلے زمانے سے
میں بھی رہتا ہوں سب سے روٹھا ہوا





کچھ اس طرح سے حسن کی تکریم کی گئی
آنکھوں کے آئینے میں سجایا گیا اسے
اس شانِ بے نیازی کا کیا تذکرہ کریں
اترا رہا ہے کوئی کہ چاہا گیا اسے





کچھ تقاضے شعر گوئی کے بھی ہیں
تجربوں میں ان کا بھی رکھیے خیال
یہ نہ ہو اس شوقِ جدت کے سبب
شعر کی تاثیر پر اٹھے سوال





کچھ دیر وقت کاٹیے کم مائیگی کے ساتھ
کچھ دیر اپنی بے بسی تسلیم کیجیے
رکھیے نظر کے سامنے ٹوٹا ہوا سبو
پھر رنجِ رائیگانی کی تفہیم کیجیے





کر نہ پایا خامشی کی اوٹ میں خود کو نہاں
شور اس کی بے کلی کا بے زبانی میں رہا
وہ کہانی سے جدا ہوتا تو ہوتا حادثہ
وہ کہانی سے نکل کر بھی کہانی میں رہا





کسے اور کس طرح سمجھایا جائے
گریباں چاک محتاجِ رفو ہے
ہوا نا پید ہوتی جا رہی ہے
گھٹن پروردہ موسم روبرو ہے





کسی بھی طور کسی در پہ یہ جبیں نہ جھکے
خدا کو ماننے کی شرطِ اوّلین ہے یہ
فقط وہی ہے جو کرتا ہے حاجتیں پوری
یہ کوئی قول نہیں ہے ہمارا دین ہے یہ





کسی بھی طور کوئی معتبر نہیں لگتا
گماں یہ ہوتا ہے جو کچھ ہے بے حقیقت ہے
رفو گری کا زمانہ نہیں رہا مرے دوست
یہ دور وہ ہے کہ ہر چاک بیش قیمت ہے





کسی نے بے وفائی کی تو جانا
وفا میں کیسی کیسی راحتیں تھیں
جو بچھڑے ہیں تو اب ہم پر کھلا ہے
میسر ہم کو کیا کیا ساعتیں تھیں





کم توجہی سے مت پڑھو اس کو
یہ محبت ہے خوشبوؤں کا نصاب
اس کے دم سے ہیں راحتیں ساری
اس میں شامل ہے نفرتوں کا جواب





کوئی بھی حیلہ بہانہ بدل نہیں سکتا
دل و نگاہ نے اک فیصلہ کیا ہوا ہے
کسی کو لانا ہے دریا کی دوسری جانب
گھڑے نے لہروں سے اب رابطہ کیا ہوا ہے





تصور اس قدر ہے روح پرور
لبوں پر پھیل جاتا ہے تبسم
کوئی خوشبو تعاقب میں ہے میرے
جسے ہونا ہے بالآخر مجسم





کیا خبر لب بستگی بھی ہو کہیں پر منتظر
کون جانے منزلِ صوت و صدا ہے کتنی دور
اس کی آنکھیں دیکھنے کی تاب ہو گر تو کھلے
ان کہی سے کس طرح ہوتا ہے معنی کا ظہور





کیا کریں بارِ دگر اس کو یہ سمجھانا پڑا
خامشی حد سے زیادہ ہو تو بن جاتی ہے روگ
ان کہے لفظوں سے بھی ہوتے ہیں معنی منکشف
بھیگی پلکوں پر لکھی تحریر پڑھ لیتے ہیں لوگ





کیسے احساس کو پابندِ سلاسل کر لوں
کیسے لکھے ہوئے الفاظ کی تکذیب کروں
وہ تو آزاد ہے جو چاہے وہ کر سکتا ہے
کس طرح اس کے بنا میں کوئی تقریب کروں





کیسے کیسے رنگ تصویروں میں ہیں
منتظر ہے کیسی کیسی دلکشی
اے مرے احساس میری آنکھ بن
دیکھ کتنی مہرباں ہے زندگی





گماں ہوتا ہے جیسے واجبی سا اک تعلق ہے
یوں لگتا ہے کوئی جیسے پرائے گھر میں رہتا ہے
کہانی کار تیری اس کہانی میں یہ خامی ہے
کہ اس کا مرکزی کردار پس منظر میں رہتا ہے





گو فراغت ہے میسّر ، مستقل
کیوں فراغت میں نہیں دل کو قرار
کتنے ارزاں ہو گئے ہیں روز و شب
وقت کتنا ہو گیا ہے بے وقار





لفظوں کو پاس بھی رکھ
لفظوں کا پاس بھی رکھ
ہمت سے ہجر بھی کاٹ
ملنے کی آس بھی رکھ





لے کے آیا ہے کوئی دامن میں چنبیلی کے پھول
اور ہے خوشبو بھرے لہجے میں مجھ سے ہم کلام
زیرِ لب اس کا تبسم کر رہا ہے منکشف
اس کے ہونٹوں پر مرتب ہو رہا ہے کوئی نام





محوِ حیرت ہوں جنوں آمیز رقص
منفعل کردار میں ڈھلنے لگا
جانے ایسا کیا ہوا سامانِ زیست
خشک لکڑی کی طرح جلنے لگا





مس کر رہی ہے شب کے کناروں کو روشنی
ہم خوش خیال اس کو یہ بتلا نہیں سکے
ہونے کو ہے طلوع بہت جلد صبحِ نو
عجلت پسند شخص کو سمجھا نہیں سکے





مسلسل در پہ دستک ہو رہی ہے
لباسِ بے رخی تبدیل کر لو
سجل سوچیں گریزاں ہو نہ جائیں
ادھورے خواب کی تکمیل کر لو





معتبر ہونے کو تھا تجسیم کاری کے سبب
آنکھ میں سمٹا ہوا اک عکس زیرِ آب تھا
جانے کیسے بھیگی پلکوں نے اسے گرنے دیا
خواب جو تعبیر ہونے کے لیے بے تاب تھا





معنیِ سر بستہ کی پہنائیوں پر غور کر
لفظ کے اندر اترنے کا سلیقہ جان لے
مستقل جو ہو رہی ہیں دستکیں ان کو سمجھ
بے خودی میں دل نے جو کچھ بھی کہا ہے مان لے





ملن رت میں مقید ہو گئے ہیں
غمِ دل اور گہرا ہو گیا ہے
مناظر مجھ سے سب روٹھے ہوئے ہیں
قلم کو روکنا مہنگا پڑا ہے





منظروں سے لا تعلق ہو گئے
چھن گئی ہر اک سہولت آنکھ سے
ضبط جب ٹوٹا تو ہم بے اختیار
بہہ گئے اشکوں کی صورت آنکھ سے





روابط ٹوٹنے کا سوچ کر بھی کانپ جاتے ہیں
تعلق کو لبادوں کی طرح بدلا نہیں کرتے
مہکتی سوچ سے کرتے ہیں لفظوں کی پزیرائی
کسی صورت سجل احساس کو گدلا نہیں کرتے





میسّر ہے ہمیں حد سے زیادہ
فراغت کتنی ارزاں ہو گئی ہے
عدیم الفرصتی فرصت کے ہاتھوں
مثالِ عکس لرزاں ہو گئی ہے





میں دے رہا تھا گئے موسموں کو آوازیں
ہوائے لمحۂ موجود گنگنانے لگی
نواحِ جاں میں کوئی ان کہی سلیقے سے
بصد نیاز نئی داستاں سنانے لگی





میں کیسے بھلا سکتا ہوں اس شخص کو جس نے
رکھی ہے بصد شوق مرے سامنے شاہی
لفظوں کی ہر اک پور میں اتری ہوئی خوشبو
دیتی ہے کسی اجلی رفاقت کی گواہی





میں نے رنگوں سے مزیّن کیے بے رنگ نقوش
میں نے خوشبو بھرے احساس کو تصویر کیا
میں نے دم توڑتے معنی کو عطا کی دھڑکن
میں نے چپ اوڑھے ہوئے لفظوں کو تحریر کیا





ناز برداریوں کا مطلب ہے
آپ کی شوخیاں مقدم ہیں
خوش مزاجی میں ہے مسیحائی
میرے زخموں کا آپ مرہم ہیں





نشے بہت ہیں مگر فکرو آگہی کا نشہ
دل و دماغ میں بیداریاں اتارتا ہے
لہو میں بھرتا ہے تحقیق و جستجو کی لگن
بدن کی خاک میں سرشاریاں اتارتا ہے





نظر کے سامنے آیا وہ خوش رُو
نظر جھپکی تو وہ جا بھی چکا تھا
وہ آنکھیں خال و خد وہ کالی زلفیں
یوں لگتا ہے کوئی دھوکہ ہوا تھا





نمو پرور یقیں لاؤں کہاں سے
مجھے بنجر زمینیں دے گیا ہے
سہولت کار تھے کچھ خواب میرے
کوئی وہ بھی چرا کر لے گیا ہے





نہایت مختصر سی تھی رفاقت
مگر یادوں کا حصہ بن گئی ہے
درِ احساس کو چھو کر محبت
کوئی پارینہ قصہ بن گئی ہے





ہر کسی کو کہاں میسّر ہے
زندگانی کی آبرو رکھنا
زندگی مہرباں اگر ہو تو
اپنی آنکھوں کو با وضو رکھنا





ہم دیارِ غیر سے آئے ہوئے پنچھی نہیں
ہیں انہیں سرسبز پیڑوں پر ہمارے گھونسلے
کرنہیں سکتی کوئی آندھی ہمیں ان سے جدا
جان و دل سے منسلک ہیں لہلہاتے شاخچے





ہم سزا وارِ محبت تھے ہماری خاطر
حسن خود سر کو بھی بخشی گئی تسلیم کی خو
باہمی لطف سے تشکیل ہوا ربط نیا
اور رنجش میں بھی پلنے لگی تعظیم کی خو





ہو رہے ہیں نظم گوئی کے انوکھے تجربے
نظم کو بے نظم کرنے کا چلن اب عام ہے
بے معانی، وزن اور بے وزن کی باتیں ہیں اب
جس کو سن کر لوگ چونکیں وہ سخن اب عام ہے





ہو سکے تو یہیں پہ رک جاؤ
تند ریلا گزرنے والا ہے
ایک سیل بلا ہے بپھرا ہوا
سارا منظر بدلنے والا ہے





ہوتے ہوتے ہو گیا ارزاں خس و خاشاک سے
مختصر سا اک تعلق رائیگاں ہونے کے بعد
مضطرب احساس کے پہلو سے ہے لپٹا ہوا
خوش گماں کردار کوئی بے اماں ہونے کے بعد





ہونے والی ہے کسی امکان کی صورت گری
منتظر دستِ ہنر کی کب سے تھی اک خستگی
روک پائے گا اسے کیسے کوئی سیلِ بلا
ہے مسافر کی یقیں سے مستقل وابستگی





ہے ابھی حائل ہمارے درمیاں
دیکھیے گرتی ہے یہ دیوار کب
اب کوئی بھی مصلحت ممکن نہیں
ہے جنوں آمادۂ پیکار اب





ہے راہِ دوستی گرچہ کشادہ
مگر کوئی گزرتا ہی نہیں ہے
توقع کیا کوئی رکھے کسی پر
کوئی پورا اترتا ہی نہیں ہے





وہ اپنی یادیں لکھنے کا ارادہ کر رہا ہے
بہت سی ان کہی باتیں پریشاں ہو گئی ہیں
وہ کیسے بھیگی آنکھوں کی کہانی لکھ سکے گا
مناظر دیکھتی آنکھیں تو ویراں ہو گئی ہیں





وہ آتو جائے گا لیکن ملن رت
جسے اب لوٹ کر آنا نہیں ہے
اسے سو بار سمجھایا تھا میں نے
بتائے بن کہیں جانا نہیں ہے





وہ جذبے جو دلوں میں معتکف ہیں ایک مدت سے
انہیں مستی بھری آنکھیں عیاں کرنے پہ قادر ہیں
سما سکتی نہیں الفاظ کے پیکر میں جو باتیں
انہیں پل بھر میں یہ آنکھیں بیاں کرنے پہ قادر ہیں





وہ خوش مزاج تخیل کی راہ داری میں
سجل وجود کا احساس چھوڑ جاتا ہے
عیاں ہیں اس پہ مری بے قراریاں پھر بھی
وہ اپنا خواب مرے پاس چھوڑ جاتا ہے





وہ کچھ الجھا ہوا سا لگ رہا ہے
یہ بہتر ہے وہ سب کچھ بھول جائے
اسے لا حاصلی کے دکھ کا مطلب
کوئی آسان لفظوں میں بتائے





وہ کسی ریشمی احساس کا پروردہ ہے
اس کے پیکر میں صباحت کا فسوں شامل ہے
گفتگو اس کی ہے شفاف ندی کا پانی
اس کے جذبوں میں محبت کا جنوں شامل ہے





وہ مرے احساس کی رگ رگ میں ہے اترا ہوا
ہے اسے معلوم وہ مجھ کو بھلا سکتا نہیں
لاکھ وہ مجھ سے جدا ہونے کی کر لے کوششیں
وہ مرے خوابوں سے تو خود کو چرا سکتا نہیں





وہ ہمیں سمجھا نہیں یا ہم اسے سمجھے نہیں
حادثہ یہ ہے کہ دونوں لا تعلق ہو گئے
راستہ طے کر کے منزل تک پہنچ جاتے مگر
درمیانی ساعتوں میں ہم معلق ہو گئے





وہ وہم خوردہ تعلق نبھائے گا کیسے
وہ جانتا ہی نہیں اعتبار کے معنی
اسے بتائے کوئی انتظار کیا شے ہے
اسے بتائے کوئی انتظار کے معنی





وہ یہ سمجھا تھا کہ یہ رستہ بڑا آسان ہے
مرحلے راہِ وفا کے اس پہ راہوں میں کھلے
پیچھے مڑنا آگے بڑھنا ہو گیا دشوار تر
دوریوں نزدیکیوں کے بھید بانہوں میں کھلے





یہ بے نیازی نہیں ہے یہ ایک کوشش ہے
کسی کی چشمِ فسوں گر سے بچ نکلنے کی
دل و نگاہ میں اک کشمکش بپا ہے ہنوز
ابھی نہیں کوئی صورت اسے بدلنے کی





یہ جذبہ ہے جنوں ہے یا فسوں ہے
نہیں معلوم اس کا نام کیا ہے
میسّر ہے اسے دل تک رسائی
کوئی سمجھائے یہ پیغام کیا ہے





یہ خامشی کے تسلط کو توڑتی چڑیاں
سمجھ سکو تو یہ چہکار بے سبب بھی نہیں
یہ لگ رہا ہے یہیں پر ہے وہ کہیں موجود
یہ چارسو مرے مہکار بے سبب بھی نہیں





یہ غائبانہ رفاقت یہ نارسائی کا دکھ
اسے خبر ہی نہیں رنجِ نقدِ جاں کیا ہے
یہ ساحلوں کا چلن تو نہیں کہ پیاسے لوگ
گریزاں لہروں سے پوچھیں یہ داستاں کیا ہے





یہ ممکنات کی دنیا ہے عین ممکن ہے
وہ توڑ تاڑ کے سارے حصار آ جائے
کوئی بھی عذر بہانہ نہ روک پائے اسے
وہ ایسا تڑپے کہ بے اختیار آ جائے





یہ وقتِ شام یہ پنچھی یہ ملگجی سائے
رواں ہے وقت مسلسل قضا کے دھارے پر
جو سامنے ہے وہ منظر بدل نہ جائے کہیں
ہے ساری بستی کٹاؤ لگے کنارے پر





کسی کے لہجے میں شامل نہیں بھی ہاں بھی ہے
یہی بہار بھی ہے اور یہی خزاں بھی ہے
یہ کیا عجیب تماشہ ہے بزمِ ہستی میں
عیاں بھی ہے یہاں سب کچھ مگر نہاں بھی ہے

